''و یندرج فیہ ما قیل من فقأ عین الحامی و خصاء العبید و الوشم و الوشر و اللواط و السحق و نحو ذلک''

ترجمہ:......اس میں یہ صورتیں شامل ہیں (۱) یہ جو کہا جاتا ہے کہ حامی اونٹ کی آنکھ پھوڑ دیا کرتے تھے (حامی اس سانڈ اونٹ کو کہا جاتا ہے جو ان مشرکین کی مقررہ تعداد کے مطابق بچے جنوا دیتا۔ پھر وہ اس کی آنکھ پھوڑ کر بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے، نہ کوئی اس پر سوار ہوتا، نہ اس کی اون وغیرہ اتاری جاتی)۔ (۲) غلاموں کو خصی کر کے مخنث بنا لینا۔ (۳) زیبائش کے لیے بدن کا گدوانا۔ (۴) عورتوں کا اپنے دانت باریک کروالینا۔ (۵) مردوں اور عورتوں کی ہم جنس بازی ......وغیرہ وغیرہ۔

کم و بیش یہی تفسیر امام رازیؒ اور دیگر مفسرین حضرات نے کی ہے۔ دورِ حاضر کے مفسر مولانا عبدالماجد دریا آبادی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

''جاہلیت جدیدہ کی ترقیوں نے ان سے کہیں بڑھ کر مثالیں نہ صرف ایجاد کر لیں ہیں، بلکہ انھیں پھیلا کر فیشن میں داخل کر دیا ہے۔ مثلاً مردوں کا چہرے کے بال بالکل صاف کر کے اور طرح طرح کی نزاکتیں اختیار کر کے زیادہ سے زیادہ حد تک عورت بن جانا۔ عورتوں کا سر کے بال کٹا کر اور مردانہ وضع و لباس اختیار کر کے زیادہ زیادہ حد تک مرد بن جانا، ایسے آپریشن کرانا جن سے جنس تبدیل ہو جائے'' (تفسیر ماجدی، ص:۲۱۶)

بلکہ ایک قدم اور آگے بڑھایئے، قرآن پاک کی سب سے عمدہ تفسیر وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود فرما دیں۔ درج ذیل حدیث شریف پڑھیے اور اندازہ لگایئے کہ کیسی کیسی صورتیں تغییر خلق اللہ میں آتی ہیں۔

مسند احمد، صحیح بخاری (ج:۲، ص:۸۷۹) اور صحیح مسلم (ج:۲، ص:۲۰۵) سمیت تمام کتب حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ نے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو:

اَلْوَاشِمَات۔ بدن کو گودنے والی ہوں۔

وَالْمُسْتَوْشِمَات۔ بدن کو گدوانے والی ہوں۔

وَالْمُتَنَمِّصَات۔ چہرے کے بال صاف کرانے والی ہوں۔

وَ الْمُتَفَلِّجَات۔ (خوبصورتی کے لیے ریتی وغیرہ کے ذریعے) دانتوں میں فاصلہ کرانے والی ہوں۔

اَلْمُغَیِّرَاتِ خَلْقَ اللّٰہِ۔ ایسی تمام عورتیں اللہ کی بنائی ہوئی شکل کو تبدیل کرنے والی ہیں۔

وَشْم: کا مطلب یہ ہے کہ آدمی بازو یا ہتھیلی کی پشت پر یا اور کہیں سوئی سے بدن کو چھید کرا سے سرمہ وغیرہ سے بھر دے۔ ہمارے ہاں غیر مسلم اقوام میں اس کا رواج زیادہ ہے۔ دورِ جاہلیت میں عورتیں اس طرح بدن کو خوبصورتی کے لیے گدوا لیتی تھیں۔

نَــمُــص : سے مراد یہ ہے کہ ماتھے یا کانوں کے قریب اگے ہوئے بالوں کو اکھڑوا دیا جائے یا بھوؤں کے بال جڑے ہوئے ہوں تو درمیان کے بال اکھیڑ کر فاصلہ پیدا کرلیا جائے۔

اس حدیث شریف کے مطابق جب یہ چھوٹی چھوٹی باتیں، اللہ کی بناوٹ کو تبدیل کرنے کی مد میں آتی ہیں، تو پھر خیال فرمایے کہ آدمی کا اپنے جسم کا کوئی حصہ Donate کر دینا یا قیمتاً دے دینا کیونکر اس میں شامل نہ ہوگا؟

ایک شبہ اور اس کا جواب:

ایک شبہ یہ پیدا ہوسکتا ہے کہ آدمی سر اور چہرہ کے بال درست کرواتا ہے، لبیں لیتا ہے، داڑھی کے بھی کچھ بال لیتا ہے، ختنہ کراتا ہے، بغلوں اور زیرناف کے بال صاف کرتا ہے، ناخن کاٹتا ہے...... یہ تمام صورتیں بھی اللہ کی بناوٹ کو بدل دینے کی ہیں، تو پھر یہ بھی ناجائز ہونی چاہئیں۔ یہ کیونکر جائز ہوگئیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس طرح کے کام خصالِ فطرت کے زمرہ میں شامل ہیں یعنی انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ آدمی یہ کام کرے، اسی لیے ہر دور میں تمام انبیاء علیہم السلام ان باتوں کی تعلیم دیتے آئے ہیں۔ گویا یہ خلق اللہ کا حصہ ہیں۔ اس کے منافی نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر، بچہ پیدا ہوتا ہے، تو اس کے منہ میں دانت نہیں ہوتے، یہ اس کی شیرخوارگی کی عمر کے عین مطابق ہے۔ بڑا ہوتا ہے تو پھر آہستہ آہستہ دانتوں سے بھر جاتا ہے۔ یہ اس عمر کا فطری تقاضا تھا، جس کا انتظام خالق نے فرمادیا۔

ایک اور شبہ:

اس جگہ قارئین کے دل میں ایک شبہ آسکتا ہے کہ ان احادیث سے تو اس تغییر خلق اللہ کی روکاوٹ معلوم ہوتی ہے جو محض زیب و زینت کے لیے ہو۔ اعضاء کی وہ پیوندکاری جو بیماری کے علاج کے طور پر کی جائے، اس کی روکاوٹ کا تو کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس کا جواب آئندہ سطور میں آئے گا۔

قرآن کریم کی رو سے انسان کا مرتبہ اور اس کا تقاضا:

قرآن کریم کی رو سے انسان کا مرتبہ و مقام، کائنات میں سب سے اونچا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَ لَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ (الاسراء:۷۰)۔ ترجمہ: ہم نے اولادِ آدم کو برتری بخشی۔

یہ انسان ہی ہے جس کی عظمت اور برتری کا بیان اللہ تعالیٰ نے ان دو جملوں میں فرمایا:

۱۔ **نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ**۔ (سورۃ ص:۷۲)۔ ترجمہ: میں نے اس میں اپنی روح پھونکی۔

۲۔ **خَلَقْتُ بِیَدَیَّ**۔ (سورۃ ص:۷۵)۔ ترجمہ: میں نے اسے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا۔

حضرت انسان کے اسی بلند مرتبہ و مقام کی وجہ سے اسے مخدوم ٹھہرایا اور باقی تمام کائنات کو اس خادم بنایا، چنانچہ فرمایا گیا:

خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔ (البقرہ:۲۹)

سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ۔ (الحج:۶۵)

سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ. (ابراہیم:۳۳)

انسان کے اس اشرف المخلوقات ہونے کا نتیجہ ہے کہ اس کی زندگی میں بھی اس کا احترام ملحوظ رکھا جاتا ہے اور مرنے کے بعد بھی۔ اسی لیے حدیث شریف میں حکم دیا گیا: اکرموا اخاکم حیًّا و میتاً. اور اسی لیے انسان کے کسی جز کو دوسرے جسم میں منتقل نہیں کیا جا سکتا۔ حتیٰ کہ اس کے بالوں، کھال اور ہڈیوں تک کو استعمال میں لانے کی شریعت نے رکاوٹ کر دی۔ چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

(۱) فقہ حنفی کی مشہور کتاب ھدایہ میں ہے: و حرمة الانتفاع بأجزاء الآدمی لکرامته. یعنی انسان کے محترم اور معزز ہونے کی وجہ سے اس کے اجزاء سے نفع اٹھانا حرام ہے۔

(۲) ھدایہ کی شرح عنایہ میں ہے: لئلا یتجاسر الناس علی من کرم اللّٰہ بابذال أجزائه. یعنی اللہ نے جس کو عظمت بخشی ہے، لوگ اس کے اعضاء کو بے وقار ٹھہرا کر اس کی ناقدری کے لیے دلیر نہ ہو جائیں۔

(۳) ملک العلماء امام کاسانیؒ جو فقہاءِ احناف میں بہت اونچا پایہ رکھتے ہیں، فرماتے ہیں: لا یجوز بیعها و یحرم الانتفاع بها احتراما للآدمی کما اذا طحن سن الادمی مع الحنطة او عظم لا یباح تناول الخبز من دقیقها. یعنی انسانی اجزاء کا بیچنا جائز نہیں اور ان سے نفع اٹھانا حرام ہے کیونکہ انسان واجب الاحترام ہے۔ مثلاً اگر آدمی کا کوئی دانت یا اس کی کوئی ہڈی گندم کے ساتھ پس جائے تو اس کے آٹے سے تیار شدہ روٹی کھانا درست نہیں ہے۔ (بدائع، ج:۱،ص:۶۳)

(۴) علامہ ابن نجیم مصری، جن کو ابوحنیفہ ثانی کہا جاتا ہے، فرماتے ہیں: لا یجوز الانتفاع به و لا دبغه احتراما له و علیه اجماع المسلمین کما نقله ابن حزم. یعنی آدمی کی کھال سے نہ تو نفع اٹھانا درست ہے اور نہ اس کو رنگنا وغیرہ جائز ہے کیونکہ اس کا احترام پیش نظر ہے۔ اسی پر مسلمانوں کا اتفاق ہو چکا ہے، جیسا کہ امام ابن حزم نے نقل کیا ہے۔ (البحر الرائق، ج:۱،ص:۱۰۱)

(۵) امام نوویؒ جو ساتویں صدی ہجری میں علماءِ شافعیہ میں ایک نہایت ہی بلند پایہ محدث اور فقیہ گزرے ہیں، اوپر نقل شدہ حدیث ''لعن اللّٰہ الواصلة والمستوصلة'' کی شرح میں ارشاد فرماتے ہیں: ''ان وصلت شعرها بشعر ادمی فهو حرام بلا خلاف سواء کان شعر رجل او امرأة و سواء شعر المحرم والزوج و غیرهما بلا خلاف لعموم الاحادیث و لانه یحرم الانتفاع بشعر الادمی و سائر أجزائه لکرامته بل یدفن شعره و ظفره و سائر اجزائه ''، یعنی اگر عورت اپنے بالوں میں کسی آدمی کے بال جوڑ لیتی ہے تو یہ حرام ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ خواہ وہ کسی مرد کے بال ہوں یا عورت کے، خواہ کسی محرم یا خاوند کے ہوں یا کسی اور کے، اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ اس لیے کہ احادیث عام ہیں...... اور اس لیے کہ آدمی

کے بالوں اور دوسرے اعضاء سے نفع اٹھانا حرام ہے۔ بوجہ اس کے مستحق عزت ہونے کے۔ بلکہ اس کے بال، ناخن اور دوسرے اجزاء دفن کر دیے جائیں۔ (شرح مسلم للنووی، ج:۱،ص:۲۰۴)

یوں تو انھی حوالہ جات سے مسئلہ بہت حد تک واضح ہو چکا ہے، مگر ہم نے فقہی عبارتیں صرف اس لیے نقل کی ہیں کہ انسان کو جو اللہ نے اشرف المخلوقات قرار دیا ہے، اس کا یہی مرتبہ اور مقام، تقاضا کرتا ہے کہ اس کے اجزاء اور اعضاء سے کسی طرح استعمال کر کے نفع حاصل کرنا اور ان کی خرید وفروخت ممنوع ہو۔ چنانچہ بالاتفاق علماءِ اُمّت کے نزدیک ایسا کرنا ناجائز اور حرام ہے۔

حدیث شریف کی رو سے اعضاء کی پیوند کاری:

کسی مریض کے جسم میں کسی صحیح سالم عضو کا فٹ کرنا، ظاہر ہے کہ آپریشن کے ذریعے ہوگا، یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کی فٹنگ کا مرحلہ تو بعد میں آئے گا، اس سے پہلے تو کسی جسم سے تندرست عضو لینے کا مرحلہ ہوگا جیسا کہ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا ہے۔ ایک نو مردہ بدن سے آنکھیں یا دل، یا پھیپھڑا یا جگر کی قطع برید ہونا لازمی امر ہے۔ آیئے ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ تو سنیے:

مسند احمد، سنن ابی داؤد (ج:۲،ص:۱۰۳)، موطا امام مالک اور سنن ابن ماجہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ:

''کسر عظیم المیت ککسرہ حیًا''۔

ترجمہ: مردے کی ہڈی توڑنا اس طرح ہے جیسا کہ زندہ آدمی کی ہڈی توڑنا ہے۔

ابوداؤد کے شارح، محدث سہارنپوریؒ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ:

''ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی جنازے کے ہمراہ قبرستان تشریف لے گئے۔ وہاں گورکن ابھی اپنے کام سے فارغ نہیں ہوا تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے ایک کنارے بیٹھ گئے، صحابہ بھی بیٹھ گئے۔ اتنے میں گورکن نے ایک ہڈی نکالی جو پنڈلی یا بازو کی معلوم ہوتی تھی، وہ اس کو توڑنے لگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ اسے نہ توڑ، مردہ کی ہڈی توڑنا ایسے ہی ہے جیسا کہ زندہ کی ہڈی کا۔ اس کو قبر میں کسی طرف دے دے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس فرمانِ گرامی کا سبب یہ واقعہ بنا۔'' (بذل المجہود، ج:۵،ص:۲۰۹)

مؤطا شریف اور ابن ماجہ میں ایک لفظ کا اضافہ ہے: ''فی الاثم''۔ یعنی گنہگار ہونے کے لحاظ سے مردہ کی ہڈی توڑنا، زندہ آدمی کی ہڈی توڑنے کے برابر ہے۔

یہ روایت اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔ مؤطا امام مالک کی شرح میں ابن ابی شیبہ کے حوالے سے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی گئی ہے:

''اذی المؤمن فی موتہ کاذاہ فی حیاتہ'' (اوجز المسالک)

ترجمہ: مسلمان کو مر جانے کے بعد تکلیف دینا ایسا ہی ہے جیسا کہ زندگی میں اسے ایذا پہنچانا۔

ایسی ہی احادیث کی وجہ سے بلوغ المرام کے شارح نواب زادہ نورالحسن خاں لکھتے ہیں:

''و فیه دلالة علی وجوب احترام المیت کما یحترم الحیّ''۔

ترجمہ: اس سے معلوم ہوا کہ مردے کا احترام بھی اسی طرح لازم ہے جس طرح کہ زندہ کا احترام ہوتا ہے۔ (فتح العلام، ج:۱، ص:۲۵۲)

خود میت کو براہِ راست ایذا پہنچانا تو دور کی بات ہے، ہمیں تو حدیث شریف یہ حکم دیتی ہے کہ آدمی قبر سے ٹیک لگا کر نہ بیٹھے۔ چنانچہ عمرو بن حزم نامی انصاری صحابیؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قبر سے ٹیک لگائے ہوئے دیکھا تو فرمایا:

''لا تؤذ صاحب القبر''۔ (اس قبر والے کو تکلیف نہ دے)

مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک رویت منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لأن یجلس احدکم علی جمرة فتحرق ثیابه فتخلص الی جلده خیر له من الجلوس علی قبر''۔ (مسلم شریف، ج:۱، ص:۳۱۲)

ترجمہ: ایک آدمی انگارے پر بیٹھ جائے اور وہ انگارہ اس کے کپڑوں کو جلا کر اس کی کھال تک پہنچ جائے، یہ اس کے لیے قبر پر بیٹھنے سے بہتر ہے۔

قارئین کرام! ایک طرف شریعت مقدسہ کا یہ مزاج دیکھیے کہ وہ اپنے ماننے والوں سے مسلمان میت کے بارے میں کیا چاہتی ہے اور کیا حکم دیتی ہے۔ دوسری طرف روشن خیال اہلِ علم کی یہ فراخ دلی ملاحظہ ہو کہ وہ ٹکڑے ٹکڑے کرنے اور توڑ پھوڑ کی اجازت دے رہے ہیں!

بہ بیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا!

(جاری ہے)

found.